تفسیر ''معالم العرفان فی دروس القرآن'' (تحقیقی مطالعہ)

عاصم نعیم*

صاحبِ تفسیر ''معالم العرفان فی دروس القرآن'' صوفی عبدالحمید سواتی (۱۹۱۷ء-۲۰۰۸ء) عصرِ حاضر کی ایک معروف علمی شخصیت تھے۔آپ کا آبائی وطن کڑمنگ بالا ضلع مانسہرہ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء، دس سال تک پاکستان کے مختلف علاقوں کے مدارس میں دینی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ صَرف ونحو، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اُصولِ حدیث، اُصولِ فقہ، منطق، معقولات، اور فلسفۂ قدیمہ، وغیرھم تقریباً تمام ہی علوم وفنون مختلف اساتذہ سے پڑھے۔اس عرصہ میں اُن کے اساتذہ میں مولانا عبدالواحد (گوجرانوالہ)، مولانا عبدالقدیر کیمل پوری اور مولانا محمد اسحاق لاہوری قابل ذکر ہیں۔۱۹۴۰ء میں برصغیر کی سب سے قدیم ومعروف دینی درس گاہ دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا۔ یہاں کے عرصۂ تعلیم میں انھیں مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا اعزاز علی، مولانا ظہور الحق، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، قاری احمد میاں، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، میاں نافع گل کاکاخیل اور مفتی محمد شفیع جیسے اجل واعظم علماء سے حصولِ علم کا موقع ملا۔ ۱۹۴۱ء میں سید حسین احمد مدنی نے آپ کو تمام کتب اور فنونِ متداولہ کی اپنی ذاتی خصوصی سند بھی عطا فرمائی۔ دار العلوم دیو بند سے فراغت کے بعد صوفی صاحب نے اس عہد میں تقابلِ ادیان ومطالعہ فِرَق و مذاہب کے مشہور ترین ادارہ دار المبلغین لکھنؤ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں امامِ اہلِ سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی اور دیگر اساتذہ سے فنِ مناظرہ اور مسالک و فِرَق کے بنیادی مصادر سے آگاہی حاصل کی۔ مولانا لکھنوی نے آپ کو تفسیرِ قرآن، تقابلِ ادیان، فنِ مناظرہ وافتاء میں سندِ فراغت واجازت عطا کی۔ ۱۹۴۷ء میں انھوں نے ریاست حیدر آباد دکن کے مشہور نظامیہ طبیہ کالج میں داخلہ لیا اور چار سالہ طبیب کورس نہایت امتیازی حیثیت سے پاس کیا(۱)۔

۱۹۵۲ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کی بنیاد رکھی۔ مدرسے کا انتظام، مسجد میں خطابت اور درس و تدریس کی ذمہ داری کا آغاز ہوا اور تا دم مرگ اس سلسلہ کو بہ احسن طریق سرانجام دیا۔ مدرسۃ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد نور کا شمار ملک کے بڑے دینی اداروں میں ہوتا ہے اور یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، افغانستان، سعودی عرب اور کئی یورپی ممالک میں مختلف حوالوں سے دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ دینی عقائد و نظریات اور مذہبی افعال ورسومات کی اصلاح میں اس ادارہ نے مجددانہ اور مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔

درس وتدریس اور تدریس وتالیف کے ساتھ ساتھ صوفی صاحب کے تعلقات اہلِ علم صوفیہ سے بھی برابر استوار رہے

---

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

جن میں سرفہرست مولانا حسین احمد مدنی تھے۔علاوہ ازیں مولانا احمد علی لاہوری کی خدمت میں مسلسل کئی سالوں تک حاضری دیتے رہے اور دونوں بزرگوں کے درمیان غایت درجہ محبت واحترام کا جذبہ کارفرما تھا۔

صوفی عبدالحمید سواتی ایک زندہ و بیدار دماغ اور دردمند دل رکھنے والے انسان تھے۔اپنے عہد کی سیاسی اورانقلابی و روحانی تحریکوں میں سرگرم حصہ لیا۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۵ء تک آپ مجلسِ احرار اسلام کے پر جوش کارکن رہے۔۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں سرگرم حصہ لیا جس کی پاداش میں تقریباً سات ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔۱۹۶۰ء میں آپ نے ''حافظ الحدیث'' مولانا عبداللہ درخواستی سے دورہ تفسیر پڑھا اور ان کے دورہ تفسیر کی اردو تقریر عربی میں منتقل کی۔۲۰۰۸ء میں علم و عمل کا یہ پیکر آسودۂ خاک ہوا(۲)۔

اپنے تقریباً نوے سالہ دورِ حیات میں جہاں کئی علوم سیکھے وہاں مختلف علوم پر تصنیفی کام کو ایک نئے انداز سے امت کی رہنمائی کے لیے پیش کیا۔تفسیر ''معالم العرفان فی دروس القرآن'' بلاشبہ آپ کی سب سے اہم اور قابلِ ذکر تصنیف ہے۔تفسیر مذکور پر تفصیلی تبصرہ سے قبل آپ کی چند دیگر تصانیف کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

۱۔ عون الخبیر:

الفوز الکبیر،علم اصولِ تفسیر میں شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ کی ایک اہم اور معروف کتاب ہے جو عرصہ دراز سے مدارسِ اسلامیہ اور ہندو پاک کی جامعات میں ایم اے علومِ اسلامیہ کے نصابِ تعلیم میں داخل ہے۔عون الخبیر اس کتاب کی اردو زبان میں ایک ضخیم شرح ہے۔اس شرح نے علومِ اسلامیہ کے اساتذہ وطلبہ کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔مدرسہ نصرت العلوم کے شعبہ نشر واشاعت سے کتاب شائع ہوئی ہے۔

۲۔ دُرُوس الحدیث:

صوفی صاحب نے کتب ستہ کے علاوہ مؤطا امام مالک، الترغیب والترھیب ،مشارق الانوار اور مسند احمد جیسی کتبِ حدیث کے مکمل دروس دیے۔مسند احمد بن حنبل کی تقریباً ایک ہزار سے زائد منتخب احادیث کے دروس شائع ہوئے ہیں جو تقریباً سولہ سو صفحات پر مشتمل ہیں۔علاوہ ازیں حدیث میں شرح شمائل ترمذی، تقریر صحیح البخاری، ترمذی اور مسلم کے چند ابواب کی شروحات بھی شائع ہو چکی ہیں(۳)۔

۳۔ نمازِ مسنون:

اس عنوان سے آپ کی دو کتابیں ہیں، کلاں اور خورد۔نمازِ مسنون کلاں اردو زبان میں نماز کے موضوع پر سب سے ضخیم کتاب ہے۔اس کتاب میں قرآن کریم کی آیات سے استدلال کے علاوہ تقریباً چار ہزار احادیث و آثار سے مسائل و احکام کے بارے میں استدلال کیا گیا ہے۔دعائیں اوراذکار وخطبات بھی ساتھ شامل ہیں(۴)۔

۴۔ خطباتِ سواتی:

جامع مسجد نور میں صوفی صاحب نے ۱۹۵۲ء سے لے کر ۲۰۰۲ء تک نصف صدی خطابت فرمائی ہے۔ خطبۂ جمعہ کے عمومی موضوعات پر مشتمل یہ خطبات، خطباء ومقرر حضرات کے لیے مفید ہیں (۵)۔

۵۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم وافکار:

فلسفہ ولی اللّٰہی کے امام، صاحبِ عزیمت وکمال، مولانا عبید اللہ سندھی کے علوم وافکار پر یہ کتاب آپ کی اہم تصانیف میں سے ہے۔ فکرِ سندھی کے بارے میں مختلف مصنفین کے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ایک متوازن ومتناسب رائے کی حامل یہ کتاب مولانا سندھی کے بارے میں متعدد غلط فہمیوں کا ازالہ کرتی ہے (۶)۔

۶۔ تراجم ومقدمات وحواشی:

مستقل تصنیفات اور دروسِ قرآن وحدیث کے علاوہ آپ کا ایک قابل قدر تالیفی واشاعتی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے مشرب ومسلک کے نامور بزرگوں کی اہم کتب کو اپنی تصحیح وترجمہ کے ساتھ شائع کروایا ہے۔ ان کتب پر وقیع مقدمات تحریر کیے اور بعض کتب پر حواشی بھی تحریر کیے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام ذیل میں دیے جاتے ہیں:

" الطاف القدس فی معرفة النفس، العقيدة الحسنة، مير منظوم (شاه ولی الله)، دمغ الباطل، اسرار المحبة، تفسير آية النور، تكميل الأذهان، (شاه رفيع الدين دهلوی)، الفقه الاكبر (امام ابو حنيفه)، حجة الاسلام، اجوبهٔ اربعين (محمد قاسم نانوتوی)، مبادی تاريخ الفلسفة (ابو الكلام آزاد)، تحفهٔ ابراهيميه (مولانا حسين علی)، دليل المشركين (مولانا احمد الدين بگوی)، اور عقيدة الطحاوی (ابو جعفر طحاوی)" (۷)

معالم العرفان فی دروسِ القرآن:

صوفی عبد الحمید سواتی کا سب سے اہم اور شاندار تصنیفی کارنامہ تفسیر "معالم العرفان فی دروس القرآن" ہے۔ آپ ان شخصیات میں شامل تھے جن کی زندگی کا مقصد اور خاصہ دین کا فہم اور شعور پیدا کرنا رہا ہے۔ انھوں نے ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک تقریباً ۳۸ سال تک جامعہ نصرۃ العلوم میں مختلف علوم وفنون کی کتب کی تدریس کی۔ اس عرصہ میں سیکڑوں، ہزاروں طلبہ نے ان سے تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور منطق کی امہات الکتب کی تعلیم حاصل کی۔ اور ان کے تدریسی انداز سے دین کی حکمتوں اور قرآن حکیم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلابی پروگرام سے آگاہی حاصل کی۔ صوفی صاحب فہمِ دین اور فہمِ قرآن کے اس مقصدِ جلیل کو صرف طبقۂ طلبہ تک محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا عوام الناس خصوصاً دینی تعلیمات سے شغف رکھنے والے حضرات کے لیے انھوں نے مسجد میں بعد نمازِ فجر درسِ قرآن ودرسِ حدیث کا اہتمام کیا۔ یہ

سلسلہ تقریباً چالیس برس تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں کئی مرتبہ پورے قرآن حکیم کی تفسیر وتشریح کی گئی۔ انھی دروس کو کیسٹوں سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا گیا۔ دروس کو کیسٹوں سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی ذمہ داری الحاج لعل دین نے سرانجام دی جن پر صوفی صاحب نے نظرثانی فرمائی۔ بعض مقامات پر حذف وترمیم، اضافہ جات کیے اور کہیں حواشی بھی لکھے اس طرح بیس (۲۰) جلدوں میں ''معالم العرفان'' کی شکل میں اردو زبان کی ایک ضخیم ترین تفسیر علمی دنیا میں متعارف ہوئی، جو تقریباً تیرہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

تفسیری خصوصیات:

تفسیر معالم العرفان ،صوفی صاحب کی کثرتِ معلومات، وسعتِ علم، حدیث و فقہ پر گہری نظر، اور ان کے معتدل متصوفانہ ذوق کا ثبوت ہے۔ سطورِ ذیل میں اس تفسیر کی چند نمایاں خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ جامع تفسیری رجحان:

قرآنِ مجید اللہ رب العزت کا کلام ہے، جو اپنی جامعیت میں بے مثل ہے، اس میں احکام بھی ہیں اور باری تعالیٰ کے بیش بہا اور بے شمار انعامات واحسانات کا تذکرہ بھی، مستقبل کی پیش گوئیاں بھی ہیں اور انبیاءِ سابقہ کے قصص و حکایات بھی، اہل ایمان وعملِ صالح کے لیے جنت اور اس کی نعمتوں کا ذکر بھی اور ایمان وایقان وعمل سے محروم لوگوں کی سزا کے بیانات بھی۔ صوفی صاحب نے ہر صنفِ مضمون کا شرح وبسط اور سیر چشمی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ قرآنی علوم ومعارف کے بیانات کے ساتھ ساتھ باطل اور گمراہ فرقوں کے غلط عقائد واعمال پر بڑے شُستہ انداز میں تنقید کی گئی ہے، کسی کی دل آزاری کے بغیر حق کو واضح کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی تباہ حالی اور معاشرتی برائیوں اور ناکامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

تفسیر بالماثور کے تمام طرق ومناہج کو برتا گیا ہے۔ **تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث و بأقوال الصحابة**، اور **تفسیر القرآن بأقوال التابعین و بأقوال الاسلاف المتاخرة** کے کئی نمونے تفسیر میں موجود ہیں۔ آیات کی تشریح وتفسیر میں احادیث اور روایات و حکایاتِ صحابہؓ (۸)، متقدم مفسرین اور علماء ہند کے اقوال وآراء ذکر کرتے ہیں، تاہم یہ اقوال واقتباسات اکثر مقامات پر بغیر حوالے کے درج کیے گئے ہیں (۹) متقدم عربی تفاسیر میں سے تفسیر بیضاوی، تفسیر رازی، ابن عربی اور سیوطی کی کتبِ تفسیر سے خاص طور پر مراجعت کی گئی ہے۔

تفسیر کا فقہی رجحان بھی نمایاں ہے۔ وہ آیات جن کا تعلق کسی طور پر فقہ واحکامِ شریعت سے بنتا ہے، ان کی تشریح وتفسیر میں متعلقہ شرعی آداب واحکام ذکر کرتے ہیں۔ سورۂ اعراف کے آخر میں سجدۂ تلاوت کی آیت کے سلسلے میں سجدۂ تلاوت کے آداب واحکام وشرائط اور ذکر الٰہی کی اقسام واحکام کا شرح وبسط کے ساتھ ذکر کیا ہے (۱۰)۔ اسی طرح جزیہ کی وصولی، جزیہ بطورِ ٹیکس اور اس کے دائرۂ کار، تقسیم وراثت، تیمّم، عورت کی امامت، جوتے سمیت نماز پڑھنا اور کتے کا شرعی حکم جیسے مسائل پر

فقہی انداز میں روشنی ڈالی ہے (۱۱)۔ بعض بعض مقامات پر شرعی احکام کے علل و حِکَم کا بیان بھی آ جاتا ہے۔کلامی مسائل پر سیر حاصل بحثیں کی ہیں جن کا بیان اگلے صفحات میں موجود ہے۔تصوف کے اسرار و رموز سے بھی تفسیر خالی نہیں ہے۔

تفسیر میں حدیث کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے، اس ضمن میں مدرسِ موصوف، ضعیف احادیث کو بھی وقعت دیتے ہیں۔ احادیث میں موجود اشکالات یا بعض حلقوں کی جانب سے احادیث پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات بھی ذکر کرتے جاتے ہیں (۱۲)۔آثارِ صحابہؓ وتابعین سے بھی استشہاد کرتے ہیں نیز اسرائیلی روایات پر تنقید بھی ملتی ہے۔ واقعہ موسیٰ علیہ السلام میں جادوگروں کی تعداد کے ضمن میں بیس ہزار، نوے ہزار، اور تین لاکھ کے عدد کو رد کر کے امام بغوی کے حوالے سے ۱۵ ہزار کی تعداد کو ترجیح دی ہے (۱۳)۔ قرآن کے مشکل مقامات کی تشریح متقدم مفسرین کے حوالے سے کی ہے، جیسے اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ کی تفسیر میں متقدم و متاخر علماء کے نقطہ ہائے نظر پیش کیے ہیں۔سیدنا ابی بن کعب، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، امام غزالی، شاہ ولی اللہ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تفسیری آراء نقل کی گئی ہیں۔متعدد مقامات پر عربی اشعار کے ذریعے آیت کے مفہوم کو نکھارا ہے جس سے ذہن کے کئی عقدے کھل جاتے ہیں۔لغوی تحقیقیں اور علم اشتقاق کے استعمالات بھی کہیں کہیں بیان کرتے ہیں (۱۴)۔ غرض یہ کہ تفسیر کے تمام معروف رجحانات کو برتا گیا ہے۔

۲۔ اسلام......ایک مکمل اور جامع نظامِ حیات:

تفسیر ''معالم العرفان'' اس ابدی حقیقت کی امین ہے کہ اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور انسانیت کی فلاح و بہبود اور ترقی اس دین کے دامن میں پنہاں ہے۔تفسیر میں نظامِ اسلامی کی فوقیت کو بقیہ تمام نظام ہائے حیات پر ثابت کیا گیا ہے۔

آیت ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے امراء اور غرباء کے معاشرتی فرائض اور ذمہ داریاں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''روس میں ۱۹۱۷ء کا انقلاب اس امیر غریب کے سوال پر ہی آیا تھا، جس کی بھینٹ تین کروڑ انسان چڑھ گئے۔اُمراء نے غرباء پر مظالم توڑے، ان کے حقوق ادا نہیں کیے۔نتیجہ یہ ہوا کہ غریبوں نے تحریک چلائی۔ دونوں گروہ بے دین تھے، غریبوں نے امیروں کو کتوں کی طرح گھسیٹا یہ غریبوں کو حقیر سمجھنے کا شاخسانہ تھا۔نہ امیروں نے حقوق دیے نہ غریبوں نے صبر کیا۔نتیجہ کشت و خون کی صورت نکلا۔یاد رکھنا چاہیے اسلام نے اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے'' (۱۵)

انھوں نے نظام اسلامی کی برتری کو دلائل سے ثابت کیا ہے (۱۶)۔ اور سرمایہ داری، سوشلزم، جمہوریت اور دیگر خود ساختہ نظاموں کو انسانیت کے لیے مضر اور تباہ کن قرار دیا ہے اور یہ کہ ان نظاموں کی پیروی کا نتیجہ ترک مذہب و اخلاق کی صورت میں نکلتا ہے (۱۷)۔

وطن عزیز کے نظامِ سیاست و معیشت میں دیگر مختلف نظام ہائے سیاست و معیشت کے ملاپ کو غیر مفید اور فضول قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک سچے مسلمان مومن کے لیے باقی سب ادیان و مذاہب اور نظاموں سے مکمل بیزاری کا اظہار ضروری ہے (۱۸)۔ علاوہ ازیں انھوں نے اسلام کے قانون جہاد، قانون صلح و جنگ اور اسلام کی خارجہ پالیسی کے اصولوں کا ذکر عمدہ انداز میں کیا ہے۔ شرعی قوانین کے حِکم و مصالح و فوائد کو مفصل بیان کیا ہے۔

مصنفِ موصوف جس وقت سلسلۂ درس میں مصروف و مشغول تھے، اس وقت دنیا میں اشتراکی نظام کی باقیات کسی حد تک موجود تھیں۔ لہٰذا انھوں نے سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ ساتھ اشتراکیت کے نقائص بھی طشت ازبام کیے ہیں۔ اشتراکیت کے تصور مساوات کی بے اعتدالیوں کو بیان کیا کہ جس طرح انسانی جسمانی قویٰ میں یکسانیت نہیں ہے، اسی طرح ذہنی صلاحیتیں بھی ایک جیسی نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اس کی صلاحیت کے مطابق رزق دیا ہے۔ معاش میں جبری مساوات غیر فطری ہے (۱۹)۔

۳۔ اسلام کی سیاسی و تہذیبی اقدار کی حفاظت:

مفسرِ موصوف مغربی تہذیب اور اس کے مظاہر کے بہت بڑے نقاد تھے، اُن کے خیال میں مغربی تہذیب و کلچر نے ہماری ملی اقدار اور مشرقی تہذیب کی جڑیں کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں۔ اس نے ہماری نسل کو دین سے باغی اور شریعت سے بے زار اور مادیت کا رسیا کر کے رکھ دیا ہے نیز یہ کہ مدارسِ دینیہ اسلامی کلچر اور مشرقی تہذیب کے محافظ ہیں۔ تفسیر میں مغربی تہذیب کے علم برداروں اہل یورپ، امریکہ، انگریزوں اور عیسائیوں کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے (۲۰)۔ تہذیبِ مغرب سے مرعوبیت کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ”آج بھی تمام مشرقی ممالک ذہنی طور پر انگریز کے غلام ہیں۔ امریکہ تو اب اُٹھا ہے۔ ہے یہ بھی انگریز، انگریزوں نے مسلمانوں کو دین اور قرآن سے دور کر دیا ہے۔ عورتوں میں شیطانی آزادی کی روح پھونک دی ہے۔ اب تمام ممالک انگریز کی سیاسی اور اقتصادی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں“ (۲۱)

سادہ اُسلوب اور عمومی نوعیت کی معلومات کے تحت انگریزیت اور مغربی تہذیب پر نقد کی گیا ہے تاہم دل میں سوز و تڑپ موجود ہے۔

ہم جنس پرستی، فحاشی اور شہوت پرستی کے مفاسد بیان کیے ہیں اور اس ضمن میں پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے کردار کو قابلِ مذمت قرار دیا ہے۔ معاشرتی استحکام و خوش حالی میں نکاح، ادارہ ازدواج اور خاندان کی اہمیت و حیثیت کو اُجاگر کیا ہے۔ ان کی نظر میں برتھ کنٹرول یہود کی سازش اور اللہ تعالیٰ کی سکیم کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے۔ بقول شاہ ولی اللہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی سکیم کا مقابلہ کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اور ملاءِ اعلیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ برتھ کنٹرول کی مغربی

پالیسی، مسلمان خاندان کے لیے کئی دینی و دنیاوی قباحتوں کا باعث ہے۔ لکھتے ہیں:

''پیدائش کو روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کبھی عورت کو مانع حمل گولیاں کھلا کر اور کبھی بچہ دانی کا آپریشن کر کے حمل روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عمل ایک طرف تو آیت کریمہ کی زد میں آتا ہے اور دوسری طرف بے حیائی کو فروغ دیتا ہے'' (۲۲)

اس ضمن میں مصنف موصوف کے اُسلوب تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی اور پیدائش میں وقفے کے تمام تر طریقوں کو ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں، اس نقطۂ نظر کو بہر حال قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سیاسی نظریات کے اعتبار سے آپ خلافتِ علی منہاج النبوۃ کے داعی تھے۔ اپنی تفسیر میں انھوں نے ملوکیت اور خاص طور پر موجودہ دور کی خدانا آشنا اور اسلام دشمن حکومتوں اور ان کی فحاشی وعیاشی پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ مسلم حکومتوں کو اُن کے فرائض اور ذمہ داریاں یاد دلائی ہیں۔ اسلام کے تصورِ مساوات واتحاد واخوت کو اُجاگر کیا ہے۔ دلائل میں انھوں نے حضرت بلال حبشی، حضرت سلمان فارسی اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہم کے اسلام میں نمایاں مقام کو بیان کیا ہے اور یہ کہ عجمی غلام ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقتوں کا مرکز تھے۔

جہاد کی اہمیت، اقسام، اس کی ضرورت و افادیت اور اس کے لیے ہر قسم کے وسائل حرب وضرب اختیار کرنے کی اہمیت بتائی ہے۔ اس سلسلے میں غفلت برتنے کو امت مسلمہ کے زوال و انحطاط کا سبب قرار دیا ہے۔ جہاد کی ترغیب وتشویق کے بیان میں عہد رسالت وخلفاء راشدین کے بصیرت افروز وایمان افزا مجاہدانہ کارناموں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

۴۔ تفسیر کا دعوتی واصلاحی پہلو:

مفسرِ موصوف اجتماعی اور معاشرتی امراض اور ان کے علاج کے ساتھ خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ چنانچہ جوں ہی اجتماعی مسائل سے متعلق کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو بڑی تفصیل کے ساتھ اس بیماری کے خطرات سے آگاہ کرتے اور پھر اس کا علاج تجویز کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں قرآن حکیم سے استنباط کر کے آپ لوگوں تک اس لیے پہنچاتے ہیں کہ وہ راہ راست پر آ جائیں۔

آیت کی مناسبت سے جو بھی اصلاحی و دعوتی نکات ذہن میں آتے ہیں، لکھتے جاتے ہیں خصوصا اشاعت معروف و انسداد منکرات کے ضمن میں احادیث اور اقوالِ صحابہ وصوفیاء سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دروس میں قرآنِ حکیم کو معاشرتی مسائل پر منطبق کیا ہے۔ سماجی و معاشرتی و معاشی مسائل کا ذکر کر کے تعلیماتِ قرآن کی روشنی میں ان کے حل پر زور دیا ہے۔ جیسے تزوّدوا فان خیر الزاد التقویٰ کی تشریح کرتے ہوئے گداگری کی حرمت کے مسئلہ کو بیان کیا ہے (۲۳)۔ بدکاری، شراب نوشی اور بے حیائی کے دیگر مظاہر پر زوردار انداز میں مذمت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ بھی چوری اور ڈاکے کی طرح ایک مضر پیشہ ہے (۲۴)۔

قرآنی تعلیمات کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے سامع اور قاری کو اپنے نظریات و دعاوی و اعمال کو دینی تعلیمات کے ترازو میں تولنے کا درس دیتے ہیں، اسے جھنجھوڑتے ہیں اور اپنا محاسبہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اصلاحِ نفس اور اصلاحِ معاشرہ دونوں ہی مقصدِ تفسیر ہیں۔ غیر اسلامی و غیر شرعی رسوم ورواجات کی نشان دہی کر کے ان کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

''نومولود کے نام رکھنے میں شرک ابتداء سے چلا آ رہا ہے جیسے عبدالحارث، عبدالعزیٰ، عبدالمسیح وغیرہ ہمارے ہاں فقیر بخش، نبی بخش، عبدالرسول، عبدالحسین، پیراں دتہ، اللہ ڈیوایا وغیرہ'' (۲۵)

تفسیر میں کئی مقامات پر اُمت کے بگاڑ کے اسباب کی نشان دہی کی ہے اس بگاڑ میں اُمت کے مختلف طبقات کے کردار کو بیان کیا ہے اور اس ضمن میں حکام، علماء و مشائخ کو خصوصاً ذمہ دار قرار دیا ہے (۲۶)۔ حکومت کی طرف سے عائد کیے جانے والے بے جا اور ناجائز ٹیکسوں پر تنقید کی ہے۔ علاوہ ازیں طرزِ زندگی میں سامان تعیش کی فراوانی اور تقشف و رہبانیت، ہر دو انتہاؤں کی بھرپور مذمت کی ہے۔ یہ وہی فکر ہے جو شاہ ولی اللہ نے اپنے ارتفاقاتِ معاشیہ میں بیان کی ہے۔

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ کے تحت مرد وعورت، دونوں اصناف انسانی کی معاشرتی حیثیت، ایک دوسرے کے لیے دونوں کی اہمیت، دونوں کے دائرہ کار اور اجتماعی نظم میں ہر دو کی حیثیت دینی نقطۂ نظر سے واضح کی ہے (۲۷)۔ ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر تلاوت کو یا تو غور سے سنا جائے ورنہ اسے بند کر دیا جائے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہونا نہ صرف آدابِ قرآن کے خلاف ہے بلکہ والغوا فیہ کی زد میں بھی آتا ہے جس کی سزا آگے مذکور ہے ﴿فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا......الخ﴾'' (۲۸)

﴿وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ﴾ (سورۃ المدثر آیت نمبر ۶) کے حوالے سے مدرس موصوف شادی بیاہ کے موقع پر نیوتا یا نیوندرا کو بھی سود میں شامل کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اس موقع پر بظاہر تحفے کے نام سے پیش کردہ رقم کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے، اس نیت سے کہ دینے والے کے ہاں اسی قسم کے موقع پر کچھ اضافہ کے ساتھ واپس کیا جائے گا اور اسے ادھار تصور کیا جاتا ہے...... مدرس سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر یہ تحفہ ہے تو اسے لکھا کیوں جاتا ہے؟ (۲۹)

معاشرتی وسماجی مسائل پر بحث کے حوالے سے ان کے بعض بیانات و آراء سے اتفاق مشکل ہے، جیسے کہتے ہیں کہ دینی مدارس کی عیب نا کی دین کے سلسلے میں انتہائی مصلحت آمیز اور فائدہ مند ہے، کیوں کہ ڈیڑھ صدی میں ان ٹوٹے پھوٹے، شکستہ حال اور عصری تقاضوں سے بے نیاز مدارس نے دین کی بے مثال خدمت کی ہے اور جدید عصری تقاضوں سے دور رہنا ہی دین کی حفاظت کا سبب بنا (۳۰)۔

۵۔ شرکیہ عقائد اور بدعی اعمال و رسوم کی مدلل تردید:

صوفی صاحب ،فکر ولی اللٰہی کے نہج و انداز پر توحیدِ خالص کے علم بردار نظر آتے ہیں، جنھیں عقیدۂ توحید سے شدید وابستگی اور بدعات سے شدید نفرت ہے۔ مولانا احمد الدین بگوی کی کتاب ''دلیل المشرکین'' کا اردو ترجمہ کر کے اپنے اہتمام سے اس کو شائع کرایا تا کہ قبول حق کی گنجائش رکھنے والے اس سے اثر لیں اور مخالف پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ان کی تفسیر میں اس زمانہ میں رائج متنوع بدعات اور رسوم و رواجات، جو توحید و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تعاملِ صحابہؓ کے منافی ہیں، کا مدلل ردّ کیا گیا ہے، ایسے مقامات پر ان کا انداز حکیمانہ اور طرز مصلحانہ ہے۔توسّل اور استعانت لغیر اللہ کے مسئلہ پر اپنے دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''......مگر آج اُن کے نام لیوا کیا کر رہے ہیں! کوئی حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ کا بکرا لے جا رہا ہے تو کوئی شیخ عبدالحق کا توشہ، کہیں شاہ مدار کا ملیدہ مشہور ہے اور کہیں بوعلی قلندر کا کھچڑ، کہیں امام جعفر کے کونڈے ہیں اور کہیں بی بی کی صحنک اور پھر شیخ عبدالقادر کی گیارہویں تو بہت مشہور ہے۔ یہ سب کیا ہے؟ غیر اللہ کی نذریں پیش کی جا رہی ہیں، ان سے مدد طلب کی جا رہی ہے۔مرادیں مانگی جا رہی ہیں جب کہا جائے بھئی غیر اللہ کی نذر و نیاز جائز نہیں تو کہتے ہیں ہم تو ایصال ثواب کرتے ہیں بھائی یہ ایصال ثواب نہیں بلکہ شرکیہ اُمور ہیں اگر ایصال ثواب مطلوب ہے تو غرباء اور محتاجوں کو ان کی ضروریات کی اشیاء بہم پہنچاؤ، کھانا کھلاؤ، کپڑا پہناؤ، کسی کو قرض سے نجات دلاؤ، کسی کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دو اور نیت یہ رکھو کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچے گا۔ان شاء اللہ پہنچے گا۔اموات کے لیے استغفار اور ایصالِ ثواب ملت ابراہیمی کا مسلمہ اصول ہے۔ان کے لیے دعائیں کرو۔ایصال ثواب کرو، مگر یہ کیسے نعرے ہیں یا علی مدد اور یا غوث الاعظم مدد، وغیرہ وغیرہ یہ شرکیہ باتیں ہیں۔اللہ کے سوا کوئی غائبانہ مدد نہیں دے سکتا کوئی حاجت روائی اور مشکل کشائی پر قادر نہیں کوئی مددگار اور کارساز نہیں اللہ تعالیٰ سمجھ اور توفیق عطا فرمائے'' (۳۱)

سورۂ انعام کی آیت ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ﴾ کے تحت کہتے ہیں:

''مافوق الاسباب نافع اور ضارّ، اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے، مگر افسوس کا مقام ہے کہ غلط کار لوگ اللہ کی مخلوق کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنے لگتے ہیں، اس لیے اُسی کے نام کی دہائی دیتے ہیں۔اُن کو نذرانے پیش کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت ان کو پکارتے ہیں جو کہ صریح شرک ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی قبر والا کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کوئی جن یا فرشتہ کسی کو مشکل کشائی کر سکتا ہے'' (۳۲)

مصنفِ موصوف نے عقائد واحکام اور معاملات و رواجات وغیرہ پر گفتگو کرتے ہوئے حق و باطل، کفر و شرک، سنت و بدعت اور ہدایت و گمراہی میں واضح فرق قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔شاہ ولی اللہ کے تتبع میں صوفی صاحب نے قرآنِ مجید میں جہاں جہاں توحید کا اثبات اور شرک کا رد کیا ہے، ایسے موقع پر مسلمانوں میں پھیلے ہوئے غلط عقیدوں میں موافقت کی نشان دہی کر کے انھیں جھنجھوڑا ہے، کہیں اختصار اور کہیں خاصی تفصیل سے کام لیا ہے(۳۳)۔

معالم العرفان میں غیر اسلامی عقائد و نظریات اور غیر شرعی رسوم و اعمال کی تردید و تنقید میں شائستہ اور شستہ زبان استعمال کی گئی ہے، دامنِ اعتدال کو تھام کر عام آدمی پر حقیقتِ حال واضح کی گئی ہے(۳۴)۔

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ﴾ کے تحت اللہ تعالیٰ کے علم محیط، قدرتِ تامہ، علم الغیب ہمہ قسم اور غیوبِ خمسہ پر شرح و بسط سے کلام کرنے کے بعد انباء الغیب کے تحت اُصولی و کلیاتی گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی یا بذریعہ کشف الہام کسی چیز پر مطلع کرنا علم غیب نہیں کہلاتا بلکہ غیب کی خبر ہوتا ہے اور غیب صرف وہ ہے جو بغیر کسی واسطے کے معلوم ہو یعنی نہ تو حواس خمسہ کے ذریعے معلوم ہو اور نہ کشف و الہام و وحی کے ذریعے اور نہ ہی عقل و فہم کے ذریعے۔ یہ سب علم کے ذرائع ہیں، اور غیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے حاصل ہو۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی چیز کو معلوم کرنے کے لیے نہ کسی واسطے کی ضرورت ہے نہ آلے کی اور نہ کسی مادے کی وہ ان کے بغیر سب کچھ جانتا ہے''(۳۵)

شرکیہ افعال اور بدعات، جن کی آیتِ کریمہ کی تعلیمات سے ادنیٰ سی مناسبت ہو، پر، خوب زور دار انداز سے بات کرتے ہیں(۳۶)۔ شرکیہ تعویذات، تبرکات کی زیارت، ایصال ثواب اور فوتیدگی کی بے شمار رسومات کا رد پیش کیا ہے(۳۷)۔ نیز تردید شرک میں ضعیف وقوی، جو بھی تفسیری قول نظر آیا ہے، اس کو نظر انداز نہیں کیا ہے جیسے حتی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حسن بصری کے حوالے سے فتنہ سے مراد شرک لیا ہے کہ جنگ جاری رکھو حتی کہ شرک کا غلبہ باقی نہ رہے(۳۸)۔

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ﴿يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ کے تحت لفظ وسیلہ کا مفہوم، لغت، شعر اور مختلف بزرگوں کے اقوال کے ذریعے واضح کرنے کے بعد جائز وسیلہ یعنی اعمالِ صالحہ اور انبیاء و اولیاء کی ذوات وغیرہ کا ذکر کیا ہے(۳۹)۔ ان بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اہلِ سنت والجماعت کے اصولوں اور ان کے متواتر عقائد و نظریات کے ساتھ مضبوط فکری وابستگی تھی تاہم دعوتی میدان میں کبھی بھی شدت پسندی اور جارحیت کے قائل نہیں رہے، بلکہ ہمیشہ اعتدال پسندانہ طرز عمل پر کارفرما رہے۔

جادو کے مفاسد، جادوگر کی سزا اور جادوگروں کی ناکامی جیسے عنوانات بھی تفسیر میں نظر آتے ہیں(۴۰)۔ صفاتِ الوہیت

کا بسیط تذکرہ کرنے کے بعد غیر اللہ میں ان صفات کی نفی، واضح اور منطقی دلائل سے کی ہے۔ اردو و فارسی اشعار کے ذریعے ان کی تفہیم کا انداز مؤثر و مفید ہے۔

۶۔ فروعی فقہی مسائل میں راہِ اعتدال:

امتِ مسلمہ کے باہمی اختلافات اور نااتفاقی کی ایک بڑی وجہ مخالف مذاہب و مسلک پر تنقید میں حدِ اعتدال سے تجاوز اور زبان کی سختی اور تیزی ہے۔ مفسر موصوف حنفی فقہ سے وابستہ و پیوستہ تھے۔ تفسیر میں اپنے فقہی مسلک کا بھرپور انداز میں دلائل و براہین سے دفاع و اثبات کیا ہے، تاہم آپ کا مؤقف سختی وتشدد سے پاک ہے۔ تعصب و تنگ نظری سے اجتناب کیا گیا ہے۔ مخالف فریق کی رائے کا احترام کیا گیا ہے۔ اس کی کئی مثالیں تفسیر میں مختلف مقامات پر موجود ہیں، مثال کے طور پر آمین بالجہر کے مسئلہ پر دلائل ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

> ''البتہ اس بات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آمین بلند آواز سے کہنی چاہیے یا پست آواز سے، بعض ائمہ کرام اونچی آواز سے آمین کہنے کے حق میں ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ آہستہ آواز کے قائل ہیں۔ روایات دونوں قسم کی آئی ہیں اور یہ صرف ترجیح کا مسئلہ ہے کہ کس امام نے کس طریقہ کو ترجیح دی ہے۔ اس کو خواہ مخواہ جائز اور ناجائز کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیے کیوں کہ یہ ایک فروعی مسئلہ ہے'' (۴۱)

اسی طرح فاتحہ خلف الامام، رفع یدین، تشہد کے الفاظ اور نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں وغیرہ مسائل میں مفسر موصوف نے یہی انداز اپنایا ہے۔ انھوں نے ان مسائل میں تشدد کرنے والے فریق کو بھی اعتدال اور باہمی احترام کا سبق دیا ہے۔ مثال کے طور پر ''فاتحہ خلف الامام'' کے ضمن میں کہتے ہیں:۔

> ''امام بخاری اور امام بیہقی فاتحہ خلف الامام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے اس معاملہ میں انھوں نے (یہ کہ کر) تشدد کیا ہے کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔ یہ درست نہیں ہے کیوں کہ نماز میں فاتحہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت سے دلائل ہیں اور قرآن کریم کی آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نزدیک فاتحہ خلف الامام ضروری ہے نہ یہ کہ نہ پڑھنے والے پر عدم نماز کا فتویٰ لگا دیں'' (۴۲)

غرض یہ کہ فروعی مسائل میں حق و باطل اور حلال و حرام کا فتویٰ دینے کے بجائے ترجیح و عدم ترجیح کی رائے اختیار کی ہے۔ یہ محققانہ اور مبنی بر اعتدال مؤقف ہر سلیم الفطرت مخالف کو حقیقت تسلیم کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے۔

۷۔ تفسیر معالم العرفان کا کلامی پہلو:

برِصغیر میں تفسیرِ قرآن اور علم کلام کی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علمی و تجدیدی

کارناموں کی بدولت ہوتا ہے۔ ان کی گراں قدر تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں احکامِ شرعیہ کی معقولیت اور دین اسلام کی معجزانہ نوعیت کو ثابت کرنے اور اس کی بابت مخالفین کے اعتراضات اور شکوک کو رفع کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ آپ کی یہ تصنیف علم الکلام کی تشکیلِ نو میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ صوفی صاحب علمی و روحانی طور پر شاہ ولی اللہ کی فکر وفلسفے کے مؤید و ترجمان تھے۔ تفسیر معالم میں گو واعظانہ اُسلوبِ بیان غالب ہے تاہم بہت سے مقامات پر متکلمانہ بحثیں بھی کی گئی ہیں۔ علمائے حق کے عقائد کی روشنی میں غلط افکار و نظریات کی بیخ کنی اور علمائے اہل سنت کے راسخ عقائد کو بیان کیا گیا ہے۔ تفسیر میں مغربی علوم و افکار اور سرسید اور دیگر متجدّدین کے عقلیت پرستانہ خیالات کے مقابلے میں روایتی کلامی مستدلات کے ساتھ ساتھ شاہ ولی اللہ کے فکری و کلامی منہج و اُسلوب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ زمانہ قریب کے دیگر متجدّد مفسرین غلام احمد پرویز اور عبداللہ چکڑالوی وغیرہ کی علمی خیانتوں اور تحریفات کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

عقیدۂ رسالت کے بارے میں مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے غلط تصورات کو ولی اللٰہی فکر کی روشنی میں بیان کیا ہے اور صحیح عقیدہ و فکر کو بیان کیا ہے۔ نبوت و رسالت کی علمی تعریف اور اس پر ہونے والے اعتراضات قدیم و جدید کے جوابات مختلف کتب خصوصاً شاہ ولی اللہ کی فکر کے حوالے سے دینے کی کوشش کی ہے۔

کئی تفسیری و علمی نکات اس تفسیر کا خصوصی امتیاز ہیں جیسے سایہ کی حقیقت، اس کے فوائد و نقصانات اور سایہ بطورِ دلیلِ قدرت (۴۳)، امام سفیان بن عیینہ کے حوالے سے ما ادرٰک اور ما یدریک میں ایک لطیف فرق بیان کیا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ ما ادرٰک کا لفظ لائے ہیں اس کا مطلب بھی بتا دیا ہے اور جہاں ما یدریک کا لفظ آیا ہے اس کی تفصیل ظاہر نہیں کی ہے جیسے ﴿مَا اَدْرٰکَ مَاالطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ اور وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَکُوْنُ قَرِیْبًا...الخ﴾ (۴۴)۔

''عَـلَیْهَـا تِسْعَةَ عَشَرَ'' کے تحت مختلف قدیم و جدید مفسرین کے حوالوں سے دوزخ پر مقرر انیس فرشتوں کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ چھ صفحات پر پھیلی ہوئی یہ نفیس ابحاث لائقِ مطالعہ ہیں (۴۵)۔

صاحبِ تفسیر نے جدید مغربی، عمرانی، سیاسی اور معاشی افکار و تصورات پر نقد کیا ہے اور ان کے مقابلے میں اسلامی تعلیمات کی فوقیت کو ثابت کیا ہے۔ اسلامی احکام و مسائل کی حکمتیں واضح کی ہیں۔ مشروعیت جہاد، حرمت سود اور اسلامی فلسفۂ جنگ وغیرھم عنوانات پر صاحبِ تفسیر کے بیانات اس کی چند مثالیں ہیں۔

توحید کے آفاقی دلائل کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کائنات، مظاہر کائنات، سورج، چاند، ستارے، دن اور رات کے تغیرات وغیرہ کی حکمتوں کو بیان کر کے توحید کا اثبات کیا ہے۔ اُن کے نزدیک قصص انبیاء میں موجود اسباق و عبر بھی اثبات توحید کے لیے ہیں۔ سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۵۴ ﴿اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُـمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ الخ﴾ کے تحت تخلیقِ کائنات، عجلت یا تدریج، استوی علی العرش، شب و روز کی دوڑ، سورج، چاند،

ستارے اور عالمِ خلق و امر جیسے مختصر عنوانات قائم کر کے مختلف کلامی حقائق کو بے نقاب کیا ہے اور بعض متشابہات کی تفہیم میں منثور و منظوم اور اسلافِ عظام کے ارشادات سے استشہاد کیا ہے (۴۶)۔

اہل کتاب کے دینی ادب میں موجود تحریفات و تغلیطات کا ذکر کیا ہے اور کتب سابقہ اور قرآن مجید کے بیانات کا موازنہ کر کے قرآن کی حقانیت کو ثابت کیا ہے (۴۷)۔ جہاں جہاں اہل کتاب سے متعلق آیات ہیں، وہاں مذاہب عالم کی تعلیمات کا تقابل، کتب سابقہ میں تحریف کے مفصل تذکرے اور اسلام کی حقانیت کے دلائل یکجا ملتے ہیں (۴۸)۔

﴿اَلَّذِیْنَ عَاهَدْتَ مِنْهُم......الخ﴾ کی تفسیر کے ذیل میں نزولِ قرآن کے وقت کے عہد شکنوں اور پہلی جنگ عظیم کے عہد شکنوں میں تطابق کے ذریعے قرآن حکیم کی ابدیت و ہمہ گیری کا ثبوت مہیا کیا ہے (۴۹)۔ اعجازِ قرآنی کے بیان میں ان کے تفسیری بیانات لائق مطالعہ ہیں (۵۰)۔ مفسر موصوف کے نزدیک اختلافات صحابہؓ نفسانیت پر مبنی نہ تھے بلکہ اجتہادی اختلافات تھے (۵۱)۔

اہلسنت کے باہمی فرقوں کے درمیان بعض کلامی و اختلافی مسائل پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے جیسے سماعِ موتی کے مسئلہ میں احادیث، اقوال صحابہؓ اور متقدم و متأخر علماء و مفسرین کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور راسخ العقیدہ علماء کی رائے کو بہ دلائل ثابت کیا ہے (۵۲)۔

قدیم کلامی مسائل میں طریقِ اسلاف کی پابندی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ، چہرہ، آنکھوں، قدم اور دیگر اعضاء کا جہاں جہاں تذکرہ آیا ہے۔ اس سلسلے میں مسلکِ سلف کو اپنایا ہے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (۵۳)۔ فلسفیانہ مسائل جیسے روح کا وجود، اس کی اقسام وغیرہ کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور یہاں بھی طریقِ اسلاف کی پابندی کی ہے۔ بعض مقامات پر یہ بیانات دقیق اور غامض بھی ہو گئے ہیں جیسے ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ کے تحت روح کی تفسیر و تعبیر اس انداز سے کی ہے جسے فلسفی و روحانی حضرات ہی صحیح معنوں میں سمجھ سکتے ہیں۔ عام قاری اس کا ادراک نہیں کر سکتا (۵۴)۔

۸۔ معارف وفکر ولی اللٰہی سے آگاہی:

صوفی صاحب کو برصغیر کی نابغہ روزگار شخصیت، حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم و معارف اور حکمت و فلسفہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ شاہ صاحب کے علوم و معارف کی آسان تعبیرات جا بجا موجود ہیں۔ ایک مقام پر حجاباتِ ثلاثہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ اقوامِ عالم کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عام طور پر یہ لوگ تین قسم کے حجابات میں مبتلا ہو کر غفلت کا شکار ہوتے رہے ہیں اور پھر خدا تعالیٰ کی گرفت کا شکار ہوئے ہیں۔ پہلا حجابِ طبع ہے انسان مادی تقاضوں یعنی اپنے جسمانی لوازمات کی تکمیل میں ہی

مصروف رہے، انھیں کھانے پینے، کام کاج، چلنے پھرنے اور میل ملاقات سے ہی فرصت نہ ملے...... حجاب کی دوسری قسم حجابِ رسم ہے۔ اکثر لوگ قوم، قبیلہ، برادری، محلّہ یا گاؤں کی رسم و رواج میں ہی زندگی گزار دیتے ہیں۔ حقیقی زندگی کی طرف ان کی توجہ مبذول ہی نہیں ہوتی، نہ انھوں نے فکر کو پاک کیا، نہ فرائض کو سمجھا بلکہ شادی بیاہ، کھیل کود اور دیگر رسومات میں ہی پھنسے رہے اور زندگی میں ناکام ہو گئے۔ شاہ صاحب کی اصطلاح میں تیسرا حجاب سوءِ معرفت ہے یعنی انھوں نے خدا تعالیٰ کی ذات کو صحیح طور پر پہچانا ہی نہیں ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے متعلق غلط قسم کا عقیدہ قائم کر کے حجابِ سوءِ معرفت میں مبتلا رہتے ہیں'' (۵۵)

﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نبی کا آنا چوتھے درجے میں ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انسان کی فطرتِ سلیمہ پر پیدائش ہے۔ پھر اس کے ساتھ ملاء اعلیٰ کی توجہ اور ان کی دعائیں یا بد دعائیں انسان کے ساتھ شامل ہو جاتی ہیں۔ پھر شرائع مکتوبہ نازل ہوتے ہیں اور اس کے بعد چوتھے نمبر پر نبی آتا ہے جو تمام باتوں کو واضح کر دیتا ہے۔ اس کے بعد حجت تمام ہو جاتی ہے (۵۶)۔ قدم قدم پر شاہ صاحب کا حوالہ آپ کے علمی ذوق اور ولی اللّٰہی علوم و حِکَم سے پوری مناسبت کی دلیل ہے۔

شاہ صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے عام طور پر ان کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا جاتا نہ ہی اصل عربی یا فارسی عبارات درج کی جاتی ہیں بلکہ ان کے مطالب و مفاہیم کو سادہ اُسلوب میں اور روایت بالمعنی کے انداز میں بیان کر دیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب کے خانوادہ کے علوم و افادات سے بھی بطور خاص استفادہ کیا گیا ہے۔ تفسیر عزیزی کے حوالے کئی مقامات پر نظر آتے ہیں۔

۹۔ حروفِ مقطعات:

قرآنِ حکیم کی اُنتیس (۲۹) سورتوں کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ مختلف سورتوں کے آغاز میں آنے والے ان حروف کی تعداد ایک سے لے کر پانچ تک آتی ہے جیسے طٰہٰ، الٓمٓعٓسٓقٓ، عام طور پر مفسرین نے حروف مقطعات کے معانی بیان نہیں کیے ہیں، اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ضمن میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اس سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کم کیا ہے۔

حروفِ مقطعات کے بارے میں علماء کے مختلف نظریات ہیں، پہلا نظریہ یہ ہے کہ یہ حروف اپنے اندر اسرار و رموز رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کے معانی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ان کو بیان کرنا چاہیے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حروفِ مقطعات قرآن کے متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں، اس وجہ سے ان پر بحث کرنا ممنوع ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مقطعات کا علم صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ ان میں قرآن کے اعجاز بیان کی طرف اشارہ ہے کہ

ہماری نازل کردہ کتاب بھی ان پر حروف ہجا سے مرکب ہے۔ جن سے تمہارا کلام مل کر بنا ہے پھر تم مقابلہ کرنے سے کیوں گریز کرتے ہو۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ حروف سورتوں کا نقطہ افتتاح ہیں۔ خلیل نحوی، سیبویہ اور زمخشری کہتے ہیں کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں جن کے شروع میں آتے ہیں۔

صوفی عبدالحمید سواتی نے حروفِ مقطعات کے ضمن میں شاہ ولی اللہ اور دیگر اصحاب علم کے فکر وفہم کو سلیس زبان اور سادہ اُسلوب میں بیان کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ذوقی طور پر حروفِ مقطعات کی تفسیر بیان کی تھی یعنی ذوق یا الہام کے ذریعے ان حروف کا اشارتاً جو مطلب سمجھا اسے تحریر کر دیا۔ صوفی صاحب کا رجحان شاہ صاحب کے اس نقطۂ نظر سے زیادہ قریب نظر آتا ہے کہ یہ حقیقت میں سورہ کا اجمالی عنوان ہیں۔ صوفی صاحب نے حروفِ مقطعات کی جو توجیہات بیان کی ہیں ان کی بعض مثالیں درج کی جاتی ہیں:

صوفی صاحب کے نزدیک یہ اس سورت کے مخففات (Abbreviations) کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایک سورہ کے ابتداء میں آنے والے حروف حٰمٓ عٓسٓقٓ کی وضاحت اس طرح کی ہے:

> "حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت کو امام ثعلبی رحمہ اللہ نے حضرت علیؓ کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے کہ ان حروف سے قربِ قیامت میں پیش آنے والے واقعات کی طرف اشارہ ملتا ہے ح سے حرق، سے مہلکہ، ع سے عذاب، س سے مسخ اور ق سے قذف کے اشارات ملتے ہیں۔ گویا قربِ قیامت میں آتش زدگی، ہلاکت، عذاب کا نزول، زمین میں دھنس جانا جیسے اکثر واقعات پیش آئیں گے" (۵۷)

سورۃ الروم میں الٓمٓ کی وضاحت کرتے ہوئے ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ الف سے اللہ، ل سے جبرائیل اور میم سے محمد مراد ہیں۔ جس طرح ہم پی ایچ ڈی کے حروف سے پوری حقیقت سمجھ پاتے ہیں اسی طرح ان حروف سے سورت کا پورا مفہوم اجمالی طور پر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ حروف مقطعات کے ضمن میں صحابہ، تابعین اور دیگر مفسرین و علماء کی آراء کو گویا جمع کر دیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ بعض مقامات پر یہ توجیہات کمزور محسوس ہوتی ہے (۵۸)۔

۱۰۔ جدید طبّی وسائنسی تحقیقات:

صوفی صاحب نے حیدر آباد دکن کے مشہور طبیہ کالج سے حکیم کا کورس نہایت اعلیٰ پوزیشن سے پاس کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں طبی معلومات، انسان، حیوانات اور جمادات وغیرہ کی طبی و جسمانی ساخت سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں۔ آیت کی تشریح میں جدید طبی و سائنسی تحقیقات و انکشافات کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے قرآنی بیانات کی حقانیات کا اثبات ہوا ہے۔ مثال کے طور پر آیت کریمہ ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ کے تحت فرماتے ہیں کہ جب ہوا اور درجہ حرارت وغیرہ کو تولا (اور ماپا) جا سکتا ہے تو اعمال کیوں نہیں تولے جا سکتے (۵۹)۔ رحمِ مادر میں بچے کی

مختلف حالتوں اور ان کے تغیرات کے بیان میں جدید مڈوائفری (Midwifery) کی کتب کے حوالے ملتے ہیں (۶۰)۔ چرند پرند اور حشرات الارض کے بارے میں جدید ترین معلومات دائرۃ المعارف اور دیگر نایاب کتب سے جمع کی ہیں (۶۱) قرآن حکیم کی وہ آیات جنھیں آیاتِ آفاق و انفس کا نام دیا جاتا ہے، کی تفسیر میں شرح و بسط سے کام لیا ہے۔ تخلیق ارض و سماء، جانداروں کی تخلیق، شب و روز کا تغیر و تبدل، ہواؤں کی گردش وغیرہ موضوعات پر بحث کرتے ہوئے جدید سائنسی ترقیات کو بھی بیان کرتے ہیں۔ ان مقامات پر ان کا زورِ بیان عیاں ہو کر سامنے آتا ہے (۶۲)۔

۱۱۔ شاعرانہ ذوق:

مصنف نے دورانِ تفسیر قدم قدم پر اشعار درج کیے ہیں، جس سے اُن کے شعری انہماک اور قدیم عربی ادب سے دل چسپی و ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔ کئی متقدم مفسرین کا انداز یہی ہے کہ وہ معانی قرآن کی تعیین میں ادبِ جاہلی سے مدد لیتے ہیں مدرس موصوف نے بھی اس اُسلوب کی پاسداری کی ہے۔ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کی تفسیر میں استوی علی العرش کی تفسیر عربی شعر کی مدد سے کی ہے اور اس کا معنیٰ ''غالب آنا'' مراد لیا ہے۔

﴿استوی بِشرٌ علی العراق......من غیر مادمٍ مهراق﴾ (بشر، خوں ریزی کے بغیر عراق پر غالب آ گیا، قابض آ گیا) (۶۳)۔

سورۂ حج کی آیت ﴿اِذَا تَمَنّٰی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْ اُمْنِیَّتِهٖ﴾ کے تحت لفظ ''تمنی'' کے معانی بیان کرنے میں حضرت حسان بن ثابتؓ کے اشعار سے استشہاد کیا ہے (۶۴)۔

سورۃ الرحمٰن کے جملہ ﴿فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ کے تکرار کو عربی ادب کا ایک اہم اُسلوب قرار دیا ہے اور عرب شعر سے اس کی مثالیں پیش کی ہیں (۶۵)۔ فارسی اور اردو اشعار بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔

۱۲۔ تصوف و سلوک:

صوفی صاحب کو عہدِ تدریس ہی سے تصوف و سلوک سے دل چسپی تھی۔ اگرچہ خود بھی ایک صوفی تھے، تاہم انھوں نے تصوف کے اسرار و رموز اور اس کی پیچیدہ بحثوں کے ذکر سے اعراض کیا ہے۔ صوفی صاحب، تصوف کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے الگ کوئی اور دین نہیں سمجھتے بلکہ وہ اسے تزکیہ و احسان ہی کی ایک صورت خیال کرتے ہیں۔ ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

> ''امام رازی رحمہ اللہ اور بعض دیگر مفسرین کرام اس آیت ﴿فِیْهِ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ وَّهُدًی وَّ مَوْعِظَةٌ﴾ میں آمدہ چاروں صفاتِ قرآنی کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ موعظت سے مراد شریعت ہے۔ شفاء کو طریقت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہدایت کو حقیقت کے معنوں میں لیا گیا ہے اور رحمت کو نبوت و خلافت کا

عنوان دیا گیا ہے۔اس کے بعد بزرگانِ دین کے چار طریقے نقشبندی، سہروردی، قادری اور چشتی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہ چار طریقے ایسے ہی ہیں جیسے ائمہ اربعہ کے چار مسالک'' (۶۶)

اس ضمن میں شیخ عبدالقادر جیلانی، شاہ ولی اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے افکارِ عالیہ سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔اپنے دروس میں انھوں نے تصوف وشریعت میں تفریق کے نظریے کی تردید کی ہے۔ تاہم انھوں نے تصوف کے نام پر کیے جانے والے غلط اور قبیح اعمال و اشغال کی مذمت بھی کی ہے اور اس کو روح تصوف کے منافی بتایا ہے۔تفسیر میں مختلف مقامات پر اولیاء اللہ کے مناقب، ولی کی پہچان کے ذرائع اور ولایت کے غلط تصورات کی نشاندہی کی ہے(۶۷)۔

شاہ ولی اللہ کی کتاب ''القول الجمیل'' کے حوالے سے بیعت کی اقسام بیان کرنے کے بعد پیر کے اوصاف اور بیعت کی شرائط وغیرہ پر شرح وبسط سے کلام کیا ہے اور اس سلسلے میں ہونے والی بے عنوانیوں کو بے نقاب کیا ہے۔

تفسیر کے صوفیانہ انداز کی جھلک بھی بعض مقامات پر نظر آتی ہے۔ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ بیان فرماتے ہیں کہ حٰم دو حروف پر مشتمل مکمل آیات ہے۔ان حروف میں ح کا اشارہ حق کی طرف ہے۔اور حٰم کا اشارہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سمجھیں گے۔اور مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ سراسر حق ہے'' (۶۸)

۱۳۔ اکابر علمائے ہند کا تذکرہ:

ولی اللٰہی خانوادے کے ساتھ ساتھ دیگر علماء کا عزت واحترام کے ساتھ والہانہ انداز میں ذکر کیا ہے۔مولانا اشرف علی تھانوی کے حوالے کئی مقامات پر دیے گئے ہیں(۶۹)۔ علاوہ ازیں شاہ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ اسماعیل شہید، عبدالحق حقانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی آراء وافکار سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۴۔ معاصر مفسرین کا محاکمہ:

مدرّسِ موصوف نے اپنے ہم عصر اور ماضی قریب کے چند مفسرین کا بھی بعض بعض مقامات پر تذکرہ کیا ہے۔سرسید احمد خاں، غلام احمد پرویز اور عبداللہ چکڑالوی کے افکار ونظریات کی سختی سے تردید کی ہے اور ان کی فکری لغزشوں پر روشنی ڈالی ہے۔سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے بعض نظریات پر بھی گرفت کی ہے اور ان کے نظریات کو جمہور اُمت سے ایک الگ راہ قرار دیا ہے۔جیسے ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو:

''آیت کریمہ ﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ﴾ (انھوں (یعنی حضرت یونس علیہ السلام) نے خیال کرلیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر تنگی نہیں ڈالے گا) یہ حضرت یونسؑ کی اجتہادی خطا تھی۔انھیں اللہ کے حکم کے بغیر بستی کو

نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔اس کے متعلق مولانا مودودی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوئیں۔ یہ بات درست نہیں ہے اور اس میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کوتاہی نہیں ہوئی ہے'' (۷۰)

عصمتِ انبیاء پر امام بیضاوی اور مفتی محمد شفیع کے دلائل کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے (۷۱)۔

سید مودودی کی اس بات پر بھی گرفت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کی حفاظت کو اٹھا کر ایک دو غلطیاں بھی سرزد کرا دیتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ معبود نہیں بلکہ انسان اور بشر ہیں (۷۲)۔ نیز سید مودودی کے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں اس قول پر تنبیہ کی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں کچھ نہ کچھ نفسانی خواہش تھی (۷۳)۔

اس ضمن میں راقم کی رائے یہ ہے کہ مدرسِ موصوف نے مولانا مودودی کی آراء کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کچھ تصرف بھی کیا ہے، نیز یہ کہ مقام نبوت اور منصبِ رسالت سے متعلق مولانا مودودی کے مضامین، مختلف تصانیف اور متعدد کتابوں میں کئی کئی صفحات پر پھیلے ہوئے ملتے ہیں، ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مقامِ نبوت اور منصبِ رسالت کے متعلق مولانا مودودی کا تصور بہت بلند اور افضل ترین تصور ہے۔حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے کے بارے میں مولانا کی تفسیری آراء پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات خود مولانا نے سورہ صافات کے حاشیہ نمبر ۸۵ میں پیش کیے ہیں۔اس واقعہ سے متعلق مولانا کا موقف وہی ہے جو اس سے قبل کئی جلیل القدر مفسرین اختیار کر چکے ہیں۔''معالم العرفان'' میں پرانے الزامات و اعتراضات کو دہرایا گیا ہے، مولانا کی طرف سے دیے گیے اُن کے اپنے اور دیگر علماء کی طرف سے دیے گئے جوابات سے اعتناء نہیں کیا گیا (۷۴)۔ایک موقع پر مولانا امین احسن اصلاحی پر بھی تنقید کی کہ وہ معراج کو روحانی معراج کہتے ہیں (۷۵)۔

۱۵۔ مضامینِ سورۃ کا تعارف:

صوفی صاحب کا اُسلوب یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا ترجمہ کرنے کے بعد سورۃ کا تعارف پیش کرتے ہیں تاکہ اس سورۃ کے مطالب ذہن نشین ہو جائیں۔تعارف میں سورۃ کا شانِ نزول، کوائف اور مضامینِ سورۃ کے خلاصہ کے ساتھ ساتھ متعلقہ سورۃ کی آیات کی تعداد نیز تفسیر کے قدیم دستور کے مطابق رکوعات، کلمات اور حروف کی تعداد بھی بتا دی ہے، مؤلف یہ صراحت بھی کر دیتے ہیں کہ سورہ مکی ہے یا مدنی۔سورۃ طٰہٰ کا تعارف اس طرح کرایا ہے:

''یہ سورۃ اپنے پہلے لفظ 'طٰہٰ' کے نام سے موسوم ہے۔اس کا عام فہم نام 'طٰہٰ' ہی ہے تاہم مفسرِ قرآن صاحب روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا دوسرا نام کلیم بھی ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔اس سورۃ کی ایک سو پینتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۳۰۱ کلمات اور ۵۲۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔یہ سورۃ مکی زندگی میں سن ۶ نبوت سے پہلے نازل ہوئی۔اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ سن ۶ نبوت میں جب

مسلمان مہاجرین کا پہلا قافلہ حبشہ پہنچا تو وہاں پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے یہ سورۃ نجاشی بادشاہ کے سامنے تلاوت کی تھی۔گزشتہ سورۃ مریم اور اس سورۃ کا زمانہ نزول قریب قریب ہی ہے۔'' (۷۶) بعدازاں مضامینِ سورۃ بیان کیے ہیں:

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بڑے مضامین بیان ہوئے ہیں یعنی (۱) توحید کا اثبات اور شرک کی تردید (۲) رسالت جس کے ضمن میں حضور خاتم النبیین ،حضرت موسیٰ اور ہارون اور حضرت آدم علیہم السلام کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔(۳) معاد یعنی قیامت اور جزائے عمل (۴) وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت وصداقت۔اس سلسلے میں واضح کہا گیا ہے کہ تمام انسان وحی الٰہی کے محتاج ہیں کیونکہ اس کے بغیر حقیقی راہنمائی حاصل نہیں ہوسکتی۔گزشتہ سورۃ کے آخر میں اللہ نے فرمایا ہے ﴿اِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ﴾ یعنی ہم نے اس قرآن حکیم کو آپ کی زبان میں آسان کردیا۔اسی ربط میں اس سورۃ کی ابتداء میں فرمایا ہے ﴿مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰی﴾ یعنی ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

ان چار بنیادی مضامین کے علاوہ اس سورۂ مبارکہ میں مشرکین وکافرین کی ایذا رسانیوں کے خلاف حضور علیہ السلام کو تسلی بھی دی گئی ہے۔حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی پاک سیرت کا تذکرہ بھی تسلی کے مضمون کا ہی حصہ ہے۔جس میں اللہ کے ان انبیاء نے جابر وسرکش فرعون کے سامنے اپنی پاکیزہ سیرت کا اظہار کیا ہے۔اس سورۃ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صبر سے کام لینے کا درس بھی دیا گیا ہے۔علاوہ ازیں اس سورۃ میں تلاوتِ قرآن کا طریقہ،تبلیغ دین کا طریقہ، جزائے عمل، آدم علیہ السلام کی لغزش اور ان کا زمین پر ہبوط اور دیگر ذیلی مضامین بھی بیان ہوئے ہیں (۷۷)۔

۱۶۔ ربطِ آیات:

قرآنی حکمتوں کا بڑا حصہ اس کے نظم وترتیب میں پوشیدہ ہے۔آیاتِ قرآنی کے باہمی تعلق کو اس طرح سمجھنا کہ وہ مسلسل اور مربوط کلام کے قالب میں ڈھل جائیں،ایک عظیم الشان علم ہے۔صوفی صاحب نے اپنے دروس میں ربطِ آیات کا اہتمام اس طرح کیا ہے کہ ایک درس میں بیان کردہ آیات، جو کہ تین سے لے کر دس آیات تک پر مشتمل ہوتی ہیں، کا سابقہ درس میں بیان کردہ آیات سے اور ایک سورۃ کا دوسری سورۃ سے ربط ومناسبت اور تعلق کو واضح کیا ہے۔گو اس طرح کی مناسبتوں میں عمق اور دقت آفرینی نہیں معلوم ہوتی، اسی لیے وہ بہت زیادہ دل کش اور دل نشین نہیں ہیں۔مدرسِ موصوف نے سورۃ الحج اور سورۃ الأنبیاء کے باہمی ربط کو اس طرح بیان کیا ہے۔

> ''سابقہ سورۃ الانبیاء میں شرک کی تردید اجمالی طور پر کی گئی تھی۔ جب کہ یہاں پر اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئے گا۔گزشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس کی طرف اس بات کی وحی کی گئی۔ ﴿اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ﴾ (کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو) اب اس سورۃ میں شرک کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ عقیدے میں بھی ہوتا ہے اور عمل میں بھی......اس سورۃ میں اعتقادی شرک کا رد کیا گیا ہے اور توحید کو واضح کیا گیا ہے''(۷۸)

گویا دراصل یہ ان کی گفتگو اور بیان کا باہمی ربط ہوتا ہے(۷۹)۔ اس ضمن میں ''ربطِ آیات'' اور ''گزشتہ سے پیوستہ'' کے عنوانات نظر آتے ہیں۔

۱۷۔ تفسیری مآخذ:

صوفی صاحب ایک جامع العلوم شخصیت تھے۔ وہ کثیر المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ فکرِ عمیق اور دقیق نکتہ رسی سے بھی بہرہ ور تھے۔ تفسیر، حدیث، تاریخ اور کلام کی امہات کتب کے حوالے جا بجا نظر آتے ہیں۔ قدیم تفاسیر جیسے روح المعانی، تفسیر کبیر، درمنثور، معالم التنزیل، تفسیر مظہری، ابن کثیر، خازن، طبری، بیضاوی، بحر محیط، کشاف، مجمع البیان اور دیگر مختلف کتب کی متعدد جلدوں کے کئی کئی صفحات پر پھیلے ہوئے تفسیری نکات کو عام فہم انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

تفسیر کے کمزور مقامات وہ ہیں جہاں انھوں نے کشف و کرامات ذکر کیے ہیں جن کی بہر حال تصدیق و تکذیب نہیں کی جا سکتی۔ تفسیر میں ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ کئی طویل و غیر ضروری ابحاث بھی نظر آتی ہیں جیسے کتے کے شرعی حکم کی تفصیل میں تین سے زائد صفحات بھر دیے ہیں(۸۰)۔ بعض بعض مقامات پر ضعیف روایات بھی نقل کی گئی ہیں ایجاز کے بجائے اطناب کا انداز اختیار کیا ہے۔

۱۸۔ ترجمہ وتفسیر کی زبان:

قرآن کریم کا اردو ترجمہ تحت اللفظ اور با محاورہ ہے۔ لفظی ترجمہ کے ساتھ ضرورت کے مقامات پر بین القوسین الفاظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ مروجہ زبان و بیان کو استعمال کیا گیا ہے۔ تفسیر چوں کہ بنیادی طور پر دروس قرآن پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کا اُسلوبِ بیان بالعموم سادہ، سلیس اور پیچیدگیوں سے پاک ہے۔ عربی و فارسی زبان میں لکھے گئے مصادر سے رجوع کے باوجود عربی و فارسی تلمیحات و تراکیب سے حتی الوسع گریز کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر باریک بلکہ ادق مباحث پر اظہارِ خیال کرتے وقت بھی ان کے اُسلوبِ تحریر کی برجستگی متاثر نہیں ہوتی۔ عام طور پر بسط و تفصیل کے انداز کو نبھایا گیا ہے۔

غرض یہ کہ صوفی عبدالحمید سواتی ایک موثق اور جاندار علمی پس منظر کے مالک تھے، جنہوں نے ''معالم العرفان فی دروس القرآن'' کے ذریعے عوام و خواص میں دین کا فہم و شعور پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ان دروس میں برصغیر کے نمایاں ترین داعی قرآن، شاہ ولی اللہ اور دیگر راسخ العقیدہ علماءِ ہند کی قرآنی فکر کی صحیح ترجمانی کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسلمانانِ پاکستان کو درپیش سیاسی، سماجی، علمی اور کلامی مسائل کے حوالے سے قرآنی تعلیمات کو عوامی اور واعظانہ اسلوب میں جامعیت اور قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ یہ دُروس نہ صرف خطبا، واعظین اور مدرسین حضرات کی تقریری و تدریسی ضروریات کو پورا کرتے ہیں، انہیں نادر علمی نکات سے آگاہ کرتے ہیں بلکہ طلبا و عوام قارئین بھی اس سے حظِ وافر حاصل کر سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ صوفی عبدالحمید سواتی کے حالاتِ زندگی کی تفصیلات ماہنامہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کے ''مفسرِ قرآن نمبر'' (اشاعت اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸ء) سے ماخوذ ہیں۔

۲۔ ایضا

۳۔ مذکورہ کتب مکتبہ دروس القرآن، گوجرانوالہ سے شائع ہوئیں۔

۴۔ ایضا ۵۔ ایضا

۶۔ ادارہ نشرواشاعت، نصرت العلوم، گوجرانوالہ

۷۔ مذکورہ تمام کتب کی اشاعت کی تفصیلات ماہنامہ نصرت العلوم کے ''مفسرِ قرآن نمبر'' میں موجود ہیں۔

۸۔ مثال کے لیے ملاحظہ کیجیے: صوفی عبدالحمید سواتی: معالم العرفان، ۲۳۵/۳، ۳۹۰/۳، ۵۱۴/۳، ۲۶۰/۳، ۲۵۰-۲۴۸/۷

۹۔ ملاحظہ ہو: نفس المصدر: ۳۵۸/۳، ۳۵۹/۳ ۱۰۔ ایضا، ۶۷۷-۶۶۹/۸

۱۱۔ ملاحظہ کیجیے، ایضا، ۳۳۳/۱۲، ۳۵۳/۱۲، ۴۹/۱۳ ۱۲۔ ایضا، ۳۴۲/۱۳

۱۳۔ ایضا، ۳۵۷/۸ ۱۴۔ ایضا، ۳۵۷/۸ ۱۵۔ ایضا، ۱۵۶-۱۵۴/۷

۱۶۔ ایضا، ۲۸۹/۳، ۲۸۰ ۱۷۔ ایضا، ۲۹۷/۳، ۲۸۸/۳ ۱۸۔ ایضا، ۵۸۷/۱۶

۱۹۔ ایضا، ۵۱۲/۱۶ ۲۰۔ ایضا، ۲۹۴/۳ ۲۱۔ ایضا، ۳۴۹/۸

۲۲۔ ایضا، ۴۲۸/۷ ۲۳۔ ایضا، ۲۶۲/۳ ۲۴۔ ایضا، ۴۸/۹

۲۵۔ ایضا، ۶۲۸/۸ ۲۶۔ ایضا، ۳۲۸/۹ ۲۷۔ ایضا، ۴۴۶/۹

۲۸۔ ایضا، ۴۱۴/۱۶ ۲۹۔ ایضا، ۸۱۹/۱۴ ۳۰۔ ایضا، ۴۹۹-۴۹۶/۱۲

۳۱۔ ایضا، ۶۲-۵۹/۷ ۳۲۔ ایضا، ۵۹/۷ ۳۳۔ ایضا، ۳۲۷/۱۲

۳۴۔ ایضا ۲۹۴/۳، ۲۹۵/۳، ۳۷۳/۳، ۵۰۴/۳ ۳۵۔ ایضا، ۱۷۷/۷ ۳۶۔ دیکھیے: ایضا، ۲۱۶/۱۶

۳۷۔ ایضا، ۳۲۷/۹ ۳۸۔ ایضا، ۱۲۳/۹ ۳۹۔ ایضا، ۱۶۶-۱۶۲/۱۲

۴۰۔ ایضا، ۱۹۶/۱۰ ۴۱۔ ایضا، ۱۷۸/۱ ۴۲۔ ایضا، ۱۸۱/۱

۴۳۔ ایضا، ۱۳۲/۱۴ ۴۴۔ ایضا، ۲۰۸/۲۰ ۴۵۔ ایضا، ۳۶۴-۳۵۸/۱۹

۴۶۔ ایضا، ۱۹۲-۱۸۳/۸ ۴۷۔ ایضا، ۶۴۴/۱۰ ۴۸۔ ایضا، ۴۳۶-۴۳۳/۱۳

۴۹۔ ایضا، ۱۷۲/۹ ۵۰۔ ایضا، ۲۶۸-۲۶۵/۱۲ ۵۱۔ ایضا، ۱۹۴/۱۷

۵۲۔ ایضا، ۴۶۲-۴۵۹/۱۴ ۵۳۔ ایضا، ۱۲۹-۱۲۸/۱۶ ۵۴۔ ایضا، ۲۶۰-۲۵۱/۱۲

۵۵۔ ایضا، ۳۳۲-۳۳۱/۸ ۵۶۔ ایضا، ۳۳۶/۸ ۵۷۔ ایضا، ۴۵۷/۱۶

۵۸۔ ایضا، ۶۴۵/۱۴ ۵۹۔ ایضا، ۳۳۲۱-۳۲۰/۱۳ ۶۰۔ ایضا، ۵۸۱/۱۳

۶۱۔ ایضا، ۳۶۸-۲۶۳/۴ ۶۲۔ ایضا، ۷۲۹-۷۲۵/۱۶ ۶۳۔ ایضا، ۴۰/۱۰، ۴۱

۶۴۔ ایضا،۵۱۵/۱۳
۶۵۔ ایضا،۴۹/۱۷
۶۶۔ ایضا،۱۷۶/۱۰،۱۷۷
۶۷۔ ملاحظہ ہو: ایضا،۱۹۴/۱۰
۶۸۔ ایضا،۲۵۸/۱۶-۲۶۰
۶۹۔ ایضا،۲۹۴/۳، ۳۴۹/۳،۳۵۴/۳
۷۰۔ ایضا،۲۶۳/۱۰-۲۶۷
۷۱۔ ایضا۲۶۳/۱۰-۲۶۷
۷۲۔ ایضا،۹۷/۱۶-۱۰۰
۷۳۔ ایضا،۷۹/۱۶

۷۴۔ اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء معصوم ہیں اور عصمت ان کی مخصوص صفت ہے، جس میں ان کے ساتھ دوسرا کوئی فردِ بشر شریک نہیں ہے، لیکن عصمت کی تفصیلات میں ان کے مابین اتفاق نہیں پایا جاتا۔ جن چیزوں کے ساتھ عصمت کا تعلق ہے، وہ دو قسموں پر منقسم ہیں، ایک معاصی اور دوسری زلّات۔ عصمت کی بھی اسی طرح دو قسمیں ہوئیں، ایک معاصی سے اور دوسری زلّات سے انبیاءِ کرامؑ کفر، جھوٹ، اور عمداً جملہ کبائر سے محفوظ و مصئون ہیں۔ اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان سے سہواً و خطاء صغائر سرزد ہو سکتے ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ اس پر انہیں متنبہ کیا جائے اور منجانب اللہ انہیں اس بات سے آگاہ کیا جائے کہ جو کچھ آپ سے سرزد ہوا ہے از قسم خطا اور از نوع لغزش ہے، قابلِ اتباع ہرگز نہیں ہے۔ (آلوسی، علامہ محمود: روح المعانی، ۲۷۴/۱۶) تقریباً تمام اہلِ سنت اس بات پر بھی متفق ہیں کہ زلّات اور لغزشوں سے انبیاء معصوم اور محفوظ نہیں، اس کے لیے بعض علماء نے ''ترک الافضل'' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے، کہ زیادہ بہتر اور زیادہ صواب کام چھوڑ کر اچھا اور جائز کام کیا جائے نہ کہ حق اور طاعت کی جگہ باطل اور معصیت کا ارتکاب کیا جائے۔ زلّات اور لغزشیں نہ صرف یہ کہ انبیاء سے سرزد ہو سکتی ہیں بلکہ ان کے افعال میں واقع بھی ہیں اور ان سے وہ بالاتفاق معصوم نہیں ہیں، تاہم اللہ رب العزت کی طرف سے انہیں اس پر تنبیہ کی جاتی ہے تاکہ لغزشوں کے اتباع سے امت محفوظ رہے۔ مولانا مودودی نے اس سلسلے میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ اپنی جگہ پر اگرچہ بالکل صحیح اور بے غبار ہے، تاہم ان کی سلامتِ طبع کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی تفہیم القرآن کے اگلے ایڈیشن میں سورۃ یونس کے حاشیے کو یوں بدل دیا کہ اس میں سے یہ فقرہ حذف کر دیا کہ ''حضرت یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں'' اس کے بجائے انہوں نے یہ عبارت درج کر دی کہ ''بات وہی صحیح معلوم ہوتی ہے جو مفسرینِ قرآن نے بیان کی ہے کہ حضرت یونسؑ عذاب کی اطلاع دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اپنا مستقر چھوڑ کر چلے گئے تھے'' (مفتی محمد یوسف: مولانا مودودی پر اعتراضات کا علمی جائزہ، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء)

۷۵۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ بھی مختلف فیہ تھے۔
۷۶۔ نفس المصدر، ۳۴/۱۳
۷۷۔ ایضا،۳۵/۱۳
۷۸۔ ایضا،۴۱۳/۱۳
۷۹۔ ایضا،۲۶۵/۳، ۲۸۳/۳
۸۰۔ ایضا،۳۵۴/۱۳